طويل نظم

اردو میں طویل نظم کا چلن بیسویں صدی کے دوران عام ہوا۔ کلا سیکی شاعری میں مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ بھی طویل نظم ہی ہیں۔
لیکن پیاصناف روایتی انداز کی ہیں۔ انھیں ہم اردو کی معروف طویل نظمول مثلاً خضر راہ (اقبال) نئی دنیا کوسلام (سروار جعفری)،
صلصلہ الجرس، سند باد، شہرزاد اور شبگشت (عمیق حنفی) پر چھائیاں (ساحر لدھیانوی) 1857 (راہی معصوم رضاً) کے ساتھ نہیں رکھتے۔

ساحر لدھیانوی اپنے زمانے کے مقبول ترین شاعروں میں سے تھے۔ ان کا شعری مجموعہ' تلخیاں' کے عنوان سے 1955 میں شاکع ہوا۔ اس کے متعدد اڈیشن بعد میں آئے اور خاص و عام میں یکساں طور پر مقبول ہوئے۔ ساحر چھوٹے چھوٹے اور عام انسانی تجربوں کے شاعر تھے۔ انھوں نے ہندوستانی فلموں میں اپنے گیتوں ،نظموں اور غزلوں کے ذریعے ایک نیا معیار قائم کیا۔

پرچھائیاں ساتر کی بہت مشہور اور پیند کی جانے والی طویل نظم ہے۔ اس کا موضوع '' امن ہے''۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگوں نے انسان کو اجتماعی موت کے اندیشے میں مبتلا کر دیا تھا۔ ساتر نے اس نظم کے وسلے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ نسل انسانی کی بقا کے لیے ہمیں کسی تیسری عالمی جنگ کے امکان کو جڑ سے ختم کرنا ہوگا۔ انسانی معاشرے اور تہذیب کی سب سے بڑی ضرورت امن ہے۔

نظم پر چھائیاں کو ایک طرح کا تخلیقی مقالہ (Creative Dissertation) بھی کہا جاسکتا ہے۔ خیال کی بدلتی ہوئی المروں کے ساتھ نظم کے مصرعوں کی ہیئت اور آ ہنگ میں بھی تبدیلی ہوتی جاتی ہے لیکن نظم کے خاتمے تک پہنچتے اس نظم کا المروں کے ساتھ نظم کے مقصد، دونوں پوری طرح روثن ہوجاتے ہیں۔اس نظم کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔

-ساحرلدهیانوی



(1921 - 1980)

سآخرلدهیانوی کا اصل نام عبدالحی اور سآخر تخلص تھا۔ وہ لدهیانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لدهیانہ ہی میں حاصل کی، بعد میں لاہور چلے گئے۔" اوب لطیف' اور" سویرا' کے ایڈیٹر رہے۔ پھر دبلی سے" فن کار' نکالا۔ تقسیم ملک کے بعد ساخر کو سخت حالات سے گزرنا پڑا۔ روزگار کی تلاش میں ممبئی پہنچے اور فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں اُٹھیں غیر معمولی کامیابی ملی۔ ساخرا کی فطری شاعر تھے۔ ان کے لہج میں بہت سوز اور اثر تھا۔ ان کے کلام میں احساس کی دل کشی ہے اور یہی ان کی مقبولیت کا راز ہے۔ اُٹھوں نے ساجی اور سیاسی مسائل پر بہت خوب صورت انداز میں شعر کیے ہیں۔" تلخیاں''" آؤ کہ کوئی خواب بنین' اور'" گا تا جائے بنجارہ'' ان کے شعری مجموعے ہیں۔امن کے موضوع پر ان کی نظم'' پر چھائیاں'' یادگار حیثیت رکھتی ہے۔



پرچھائیاں

جوان رات کے سینے پہ دُودھیا آنچل کی طرح کی رہا ہے کسی خوابِ مرَمریں کی طرح حسیس پیٹوں، حسیس شاخیس کی طرح کی رہی ہیں کسی جسم نازنیں کی طرح فضا میں گھل سے گئے ہیں اُفق کے نرم خطوط زمیں حسین ہے خوابوں کی سرزمیں کی طرح تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں تصوّرات کی صوّرت بھی یقیں کی طرح کی سرتھیں کی طرح کیھی گھان کی صوّرت بھی یقیں کی طرح



نثي آواز

انھیں کے سائے میں پھر آج دو دھڑ کتے دل خوش ہونٹوں سے پچھ کہنے سننے آئے ہیں نہ جانے کتنی کاوش سے کتنی کاوش سے بیں بیر سوتے جاگتے لیمے پُڑا کے لائے ہیں تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

وہ لیحے کتنے دِکش شے وہ گھڑیاں کتنی پیاری تھیں وہ سہرے کتنے نازک شے وہ لڑیاں کتنی پیاری تھیں استی کی ہر اک شاداب گلی خوابوں کا جزیرہ تھی گویا ہر موج نفس ہر موج صبا، نغموں کا ذخیرہ تھی گویا

ناگاہ مہتے کھیوں سے ٹاپوں کی صدائیں آنے لگیں بارود کی بوجھل ہو لے کر پچھم سے ہوائیں آنے لگیں بنیر کے روشن چہرے پر تخریب کا بادل پھیل گیا ہر گاؤں میں وحشت ناچ آھی، ہر شہر میں جنگل پھیل گیا مغرب کے مہذب ملکوں سے کچھ خاکی وردی بوش آئے مغرب کے مہذب ملکوں سے کچھ خاکی وردی بوش آئے فاموش زمیں کے سینے میں خیموں کی طنا ہیں گڑنے لگیں فاموش زمیں کے سینے میں خیموں کی طنا ہیں گڑنے لگیں مامون سی ملائم راہوں پر بوٹوں کی خراشیں پڑنے لگیں فوجوں کے بھیا نک بینڈ تلے چرخوں کی صدائیں ڈوب گئیں فوجوں کے بھیا نک بینڈ تلے چرخوں کی صدائیں ڈوب گئیں انسان کی قیمت گرنے لگی اجناس کے بھاؤ چڑھے گئے

يرچهائيال

چوپال کی رونق گھنے گی، جرتی کے دفاتر بڑھنے گے بہتی کے بیجیلے شوخ جواں بن بن کے سپاہی جانے گے جس راہ سے کم ہی لوٹ سکے اس راہ پہراہی جانے گ ان جانے والے دستوں میں غیرت بھی گئی برنائی بھی ماؤں کے جوال بیٹے بھی گئے بہنوں کے چہتے بھائی بھی استی پہرادیں ختم ہوئیں بستی پہرادیں ختم ہوئیں آموں کی کچاتی شاخوں سے جھوالوں کی نظاریں ختم ہوئیں دھوال اُڑنے گئی بازاروں میں بھوک اگئے گئی کھلیانوں میں کر چیز دکانوں سے اُٹھ کر روپوش ہوئی تہہ خانوں میں برطال گھروں کی بدحالی، بڑھتے بڑھتے جنجال بنی مہنگائی بڑھ کر کال بنی، ساری بستی کنگال بنی جیوا ہیاں رستہ بھول گئیں، پہاریاں پاکھٹ جھوڑ گئیں کو اللہ کی جو کھٹ جھوڑ گئیں کو اللہ کی جو کھٹ جھوڑ گئیں کو اللہ کی خوال کی خوال کئی ماں باپ کی چوکھٹ جھوڑ گئیں کو افلاس زدہ دہقانوں کے ہل بیل کی چوکھٹ جھوڑ گئیں بینے کی تمان کے کھلیان کے کھلیان کے کھلیان کی جولئے کی تمان کے ہاتھوں، جینے کی شب سامان کے

تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں تعمورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں تعمور برپا ہے محاذِ جنگ سے ہرکارہ تار لایا ہے کہ جس کا ذکر شمصیں زندگی سے پیارا تھا وہ بھائی نرغۂ رشمن میں کام آیا ہے

ثنيّ آواز

تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں ہیں ہم ایک گام پہ بدنامیوں کا جماعت ہے ہیں ہر ایک موڑ پر رسوائیوں کے میلے ہیں نہ دوستی، نہ تکلّف، نہ دلبری، نہ خلوص کے کہیں کا کوئی نہیں آج سب اکیلے ہیں

تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں سورج کے لہو میں لتھرس ہوئی وہ شام ہے اب تک یاد مجھے چاہت کے سنہرے خوابوں کا انجام ہے اب تک یاد مجھے

اس شام مجھے معلوم ہوا کھیتوں کی طرح اس دُنیا میں سہمی ہوئی دوشیزاؤں کی مُسکان بھی بیتی جاتی ہے اس شام مجھے معلوم ہوا اس کار گہہ زرداری میں دو بھولی بھالی روحوں کی بیچان بھی بیتی جاتی ہے اس شام مجھے معلوم ہوا جب باپ کی کھیتی چھِن جائے ممتا کے سنہرے خوابوں کی انمول نشانی بکتی ہے ممتا کے سنہرے خوابوں کی انمول نشانی بکتی ہے ممتا کے سنہرے خوابوں کی انمول نشانی بکتی ہے

سنگین حقائق زاروں میں،خوابوں کی رِدائیں جلتی ہیں اور آج جب ان پیڑوں کے تلے پھر دوسائے لہرائے ہیں پھر دو سائے لہرائے ہیں پھر دو دل ملنے آئے ہیں پھر موت کی آندھی اُٹھی ہے پھر جنگ کے بادل چھائے ہیں میں سوچ رہا ہوں ان کا بھی اپنی ہی طرح انجام نہ ہو

يرچهائيال

ان کا بھی جنوں ناکام نہ ہو ان کے بھی مقدّ رہیں گھی اک خون میں لتھڑی شام نہ ہو سورج کے لہو میں لتھڑی ہوئی وہ شام ہے اب تک یاد مجھے جاہت کے سنہرے خوابوں کا انجام ہے اب تک یاد مجھے

بہت دنوں سے ہے یہ مشغلہ سیاست کا کہ جب جوان ہوں بچّے تو قتل ہو جائیں بہت دنوں سے بیے ہے خبط حکمرانوں کا کہ دؤر دؤر کے ملکوں میں قبط بو جائیں

چلو کہ آج سبھی پائمال روحوں سے کہیں کہ اپنے ہر اک زخم کو زباں کر لیں ہمارا نہیں، سبھی کا ہے چلو کہ سارے زمانے کو رازداں کر لیں

چلو کہ چل کے سیاسی مقامروں سے کہیں کہ ہم کو جنگ و جَدل کے چکن سے نفرت ہے جسے لہو کے سوا کوئی رنگ نہ راس آئے ہمیں حیات کے اس پیر ہمن سے نفرت ہے کہو کہ اب کوئی قاتل اگر ادھر آیا تو ہر قدم پہ زمیں شگ ہوتی جائے گ نئي آواز

ہر ایک موج ہوا رُخ بدل کے جھپٹے گی ہر ایک شاخ رگ سنگ ہوتی جائے گی اُٹھو کہ آج ہر اک جنگ جو سے یہ کہہ دیں کہ ہم کو کام کی خاطر کلوں کی حاجت ہے ہمیں کسی کی زمیں چھینے کا شوق نہیں ہمیں تو اپنی زمیں پر ہلوں کی حاجت ہے ہمیں تو اپنی زمیں پر ہلوں کی حاجت ہے

(ساخرلدهیانوی)

پر چھا کیاں

مشق

لفظ ومعنى

مرمریں : سفیدیا نیل گو چیک دار پتھر

امين/امين : امانت دار

كشيخ تان : كشيخ تان

شاداب : هرا بحرا، تروتازه

مبا : صبح کی شینڈی ہوا

یخ تخ یب : خرابی ، بربادی

وحشت : د يوانگی

مد بهوش : متوالا

طناب : خيمے کی رسّی

خراش : زخم کی ملکی لکیر

اجناس : جنس کی جمع، چیزیں

سجيلي : بانکے،خوش وضع

برنائی : جوانی

کھلیان : وہ جگہ جہاں اناخ کا ڈھیر رکھا جائے

افلاس : مفلسى ،غريبى

د جقان : كاشت كار، كسان

زند : بھیڑ، گھیرا

رسوائيان : بدناميان

نئي آواز

گام : قدم

دوشیزه : کنواری لڑکی

رِدا : چادر

خبط : پاگل پن

قط : سوكها

پائمال : پیروں تلے کچلے ہوئے

مقام : جواری

بدل : ^{لڑ}ائی

حاجت : ضرورت

پیکر : شکل ،صورت،جسم

خاک : متّی

غا كدان : مرادى ^{معنى} دنيا

سوالات

1۔ شاعر نے زمین کوکس کی مانند بتایا ہے؟

2۔ کمحوں کو چرا کر کون لایا ہے؟

3۔ شاعر نے جنگ بند کرنے کے لیے کن لوگوں کو مخاطب کیا ہے؟

4۔ شاعر نے اس زمین کوکس سے منسوب کیا ہے؟

5۔ شاعر کو کن چیزوں کے تباہ ہو جانے کا ڈرہے؟

6۔ شاعر نے کن کن ادوار کا موازنہ کیا ہے؟

زبان وقواعد

• نظم میں شاعر نے جن مختلف تشبیهات کا استعمال کیا ہے نصیں اپنی کا پی میں لکھیے۔

يرچهائيان

• نظم میں شاعر نے ایسے الفاظ استعال کیے ہیں جن سے مشرق اور مغرب کی تہذیب کا موازنہ ہوتا ہے۔ان الفاظ کو مشرق اور مغرب کے ذیل میں لکھیے۔

غور کرنے کی بات

- انسان ازل سے ہی جنگ اور امن کے بھی پیضا ہوا ہے۔ جنگ کے نقصانات سے ہم واقف ہیں۔حساس دانشوروں مفکروں ادیبوں شاعروں نے ہمیں جنگ کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا ہے۔ انسانیت کی بقا اور ترقی کے لیے امن ضروری ہے۔
 - اس دنیا میں امن قائم کرنا سب کی ذمے داری ہے۔
- اس نظم کا مرکزی خیال انگریزوں کی آمد کے بعد ہندوستانی تہذیب کا آہستہ آہستہ مٹتے چلے جانا ہے یعنی آزاد قوم ہی اپنی تہذیب اور ثقافت کا تحفظ کر سکتی ہے۔
- غلام قوم اپنی تہذیب و ثقافت کی حفاظت نہیں کر سکتی نظم پر چھائیاں، بظاہر ایک فن کار کے خیالات کی مظہر ہے لیکن سے اجتماعی دکھ بن کر سامنے آتی ہے۔

عملی کام

🖈 نظم میں پیش کیے گئے خیالات کواینے الفاظ میں لکھیے۔